ADVANCE SOCIAL SCIENCE ARCHIVE JOURNAL
Available Online: https://assajournal.com
Vol. 05 No. 01. January-March 2026.Page# 4871-4876
Print ISSN: 3006-2497 Online ISSN: 3006-2500
Platform & Workflow by: Open Journal Systems
https://doi.org/10.5281/zenodo.21744813

Amazing aspects of Iqbal's poetry

کلام اقبال کے حیرت انگیز پہلو

Dr. Uzma Noreen*
Lecturer Urdu Department G.C Women University Sialkot
uzma.noreen@gcwus.edu.pk

Abstract

Muhammad Iqbal's poetry holds a unique place in Urdu and Persian literature due to its intellectual depth, philosophical breadth and spiritual impact. There are many amazing aspects of his poetry that have made him a prominent poet and thinker on a global scale.

The most prominent and amazing aspect of Iqbal's poetry is the "philosophy of self". He gave a message to man to recognize his hidden talents, develop self-confidence and change his destiny. According to him, a strong self leads man to greatness.

Iqbal considered love as the spiritual power of man while considering intellect as an essential guide. For him, love is a symbol of movement, enthusiasm and creative power. This combination gives his poetry intellectual and emotional beauty.

Iqbal taught Muslims to become one nation, transcending the differences of nationality, color, race and language. His national anthems and poems create unity and awareness among Muslims.

In Iqbal's poetry, "Shaheen" is a symbol of a high-spirited, self-reliant and independent man. "Shaheen represents elevation, courage and continuous struggle. This symbol teaches the youth action and self-confidence.

Iqbal gave special importance to the young generation. He gave the youth a message to change the world through the power of movement, action, knowledge and character. His words contain hope, courage and enthusiasm for the youth.

Iqbal conveyed deep philosophical concepts through natural symbols like mountains, rivers, stars, eagles and deserts. For him, nature is not just a landscape but a source of human training and spiritual awakening.

Iqbal appreciated the scientific progress of Western civilization but criticized its materialism and spiritual emptiness. He called the spirituality and moral values of the East essential for humanity.

Poetry and philosophy are combined in Iqbal's words in such a way that his poetry is not just an interpreter of emotions but becomes a source of intellectual guidance. This aspect distinguishes his words from ordinary poetry.

Every aspect of Iqbal's words teaches thought, wisdom, spirituality and action. His message is still a source of hope, self-knowledge and awakening for the youth, Muslims and all of humanity.

Key Words: *Muhammad Iqbal, Iqbal's poetry, Urdu and Persian literature, "philosophy of self", "Shaheen", elevation, courage, continuous struggle, self-confidence, youth, Muslims, all of humanity.*

اقبال ایک ایسے بلند پایہ شاعر اور مفکر ہیں جن پر ان کی اپنی ہی شاعری صادق آتی ہے۔ جس طرح وہ کہتے ہیں:

ہزاروں سال نرگس اپنی بےنوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا (۱)

وجہ یہ ہے کہ اقبال خود بھی وہ "دیدہ ور" ہیں جس کی تمنا ہزاروں سال سے نرگس کرتی ہے۔ تب ہی اقبال جیسے لوگ پیدا ہوتے ہیں۔ وہ ایک ایسے فلسفی ہیں جو ایک پوری قوم کے قومی شاعر بننے کے قابل تھے۔ انھوں نے اپنے کلام کے ذریعے جو کام کیا وہ کوئی اور نہیں کر سکتا۔ ان کے کلام کی تاثیر سے ایک خطہ کیا بلکہ پوری مسلمان قوم نے وہ ہدایت پائی ہے کہ کسی اور شاعر کو ایسا رتبہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ وہ مینارہ نور کی حیثیت رکھنے والے شاعر ہیں جنھوں نے اپنی شخصیت سے پورا جہاں منور کیا۔ ان کی شعر گوئی میں قادرالکلامی کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ہر مسئلے کو اپنے اعلیٰ وارفع اور گہرے خیالات کو شاعری کی زبان میں سمجھ جاتے ہیں۔ اس طرح وہ مشکل آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے۔ اگرچہ ان کی اس اعلیٰ وارفع زبان پر اعتراضات بھی بہت ہوئے کہ ان کی زبان روزمرہ کی نہیں ہے۔ یہ بھی اعتراض کیا گیا کہ اقبال مشکل فارسی اور عربی تراکیب کا استعمال کرتے ہیں۔ مگر یہی تو اقبال کی عظمت ہے کہ ان کے خیالات کی پختگی اور رفعت زبان کی وجہ سے ممکن ہے۔ لیکن کسی تحقیق کار پر یہ اعتراض کرنا کہ اس کی زبان مشکل ہے اور ان کی تراکیب کے لیے بار بار لغت کی ضرورت پڑتی ہے، معقول وجہ نہیں ہے۔ مثلاً اگر غالب کے کلام پر نظر ڈالی جائے تو ڈکشنری تو کسی حد تک کام دے گی مگر ان کا فلسفہ کیسے سمجھ آئے گا؟ یہی وجہ ہے کہ لغت دیکھنے والے فلسفہ بصیرت سمجھنے کی زحمت کریں گے؟ اس کے لیے ضروری ہے کہ پڑھنے والا ادب کا صحیح معنوں میں طالبِ علم ہو۔ ورنہ پھر کہاں سمجھ آتی ہے۔ یہی شاعری بصیرت کے لیے ضروری ہے۔ دیگر یہ کہ غالب اور اقبال کو سمجھنے کے لیے اردو کے ساتھ عربی اور فارسی سے بھی واقفیت ضروری ہوتی ہے۔ البتہ اقبال غالب کے بارے میں مشکل تراکیب اور الفاظ کا استعمال کم سے کم کرتے ہیں۔ یہی ان کی عظمت ہے کہ وہ علمی، ادبی اور اسلامی نقطہ ہائے نظر کے استعمال میں دیگر شعرا سے ہر حوالے سے ممتاز ہیں۔ ساتھ ساتھ وہ اعلیٰ وارفع خیالات کی وجہ سے ہر طرح سے منفرد اور یکتا ہیں۔ دیگر یہ بھی کہ ان کی شاعری کو سمجھنے کے لیے بصارت کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ بصیرت تو ظاہر ہے ان کی شاعری کی ایک اہم خصوصیت ہے۔ بصیرت ہی سے سمجھنے کا عمل لازمی بن جاتا ہے۔ یہی بصیرت انسانی ذہن کی ایک اہم خصوصیت ہے۔ ایک اہم صلاحیت ہے جو انسانی زبان کو حرکت میں لاتی ہے۔ یعنی بصیرت انسانی زبان کے ہی ذریعے سے حرکت میں آتی ہے اور اس کا ہی زبان پر بھی اثر ہوتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ہم جب بھی زبان سے کوئی لفظ ادا کرتے ہیں تو اس سے ہماری بصیرت کو تحریک ملتی ہے اور ہمارا پورا وجود حرکت میں آجاتا ہے۔ اس بصیرت ہی کی وجہ سے ہم اٹھتے ہیں، بیٹھتے ہیں، چلتے ہیں، رکتے ہیں۔ یعنی ہمارے ہر عمل میں حسبِ ضرورت بصیرت شامل ہوتی ہے۔ جب ہم کوئی شعر پڑھیں تو اس سے بھی ہماری بصیرت پر اثر پڑتا ہے اور اسی شعر کی وجہ سے ہم سے کوئی بھی عمل یا ردِ عمل سرزد ہو جاتا ہے۔ مثلاً کسی شعر کو پڑھ کر مغموم یا خوش ہونا۔ اس سے ہمارے عمومی اعمال میں فرق آجاتا ہے۔

اقبال کے کلام کی یہ خاص بات ہے کہ ان کا زیادہ تر کلام پڑھنے اور سننے کی چیز ہے نہ کہ سمجھنے کی۔ وجہ یہ ہے کہ جیسے ہی آپ کوئی اُسے سنتا ہے، فوراً سمجھ میں آجاتا ہے۔ یعنی اُسے سمجھنے کے لیے سر کھپانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ساتھ ساتھ یہ بصیرت کو فوراً جگاتا ہے۔ یعنی یہ کلام سنتے ہی خون میں شامل ہو جاتا ہے۔ یوں ان کی بصیرت سامنے آجاتی ہے۔ اس سے پڑھنے والے کے خون میں جذبہ کی شدت تیز ہو جاتی ہے اور وہ پُرجوش ہو جاتا ہے اور وہ خود کو عجیب قسم کی بیداری کے عالم میں پاتا ہے۔ وجہ یہی ہے کہ اقبال کی پوری شاعری حرکت و عمل پر اکساتی ہے اور اسی کا نام بصیرت ہے، مثلاً "ضربِ کلیم" کا یہ شعر:

جرأت ہو نمو کی تو فضا تنگ نہیں ہے
اے مردِ خدا ملک خدا تنگ نہیں ہے (۲)

اس شعر میں جرأت نمو کے بارے میں اقبال نے کیسے باکمال طریقے سے بات کی ہے۔ ان کے حساب سے اگر آگے بڑھنے کی لگن ہو تو پھر آدمی اپنے آپ کو بہادر محسوس کرتا ہے۔ یعنی ذرا سی توجہ ہو تو آدمی میں بصیرت پیدا ہو جاتی ہے اور بصیرت آتے ہی اس میں حرکت و عمل خود بخود شروع ہو جاتا ہے اور جرأت نمو کی تحریک کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اس طرح بصیرت اور جرأت کے درمیان کوئی فرق نہیں رہتا اور عمل و بصیرت میں کوئی دوری نہیں رہتی۔ یہی اقبال چاہتے ہیں۔ ان کے کلام کے یہی تو وہ پہلو ہیں

جن کی وجہ سے ان کا کلام سب سے باکمال بن جاتا ہے اور قاری کی حرکت و عمل کی طرف لے کر جاتا ہے۔ یہ کلام ایسا ہے جو دل میں آتے ہی ہنگامہ آرائی پر مجبور کرتا ہے۔ یوں اس کی تاثیر یوں بن جاتی ہے:

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں (۳)

اس کو جوشِ حیات کہتے ہیں۔ یعنی یہ اشعار دل میں ہنگامہ آرائی پیدا کرتے ہیں۔ اس سے جوشِ حیات پیدا ہوتا ہے مگر یہ اندھا نہیں ہوتا بلکہ اس کے ساتھ بصیرت بھی فعال ہوتی ہے اور یوں مقصد سامنے نظر آتا ہے۔ جیسے کہ بقول اقبال:

تیز ترک گامزن منزل ما دور نیست (۴)

مطلب یہ کہ ذرا تیز چل کہ ہماری منزل دور نہیں ہے۔ یعنی ہماری منزل قریب آچکی ہے۔ اقبال اپنے کلام کو جلدی سمجھانا چاہتے ہیں۔ لیکن اقبال کے خیال میں ان کے کلام کے تعلق سے یہ بات ذہن میں رہے کہ سمجھنے سمجھانے کا تعلق زندگی کی آسانیوں کے ساتھ ہے۔ اس لیے اس میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ مشکل وہاں پیش ہوتی ہے جس کسی بات کو سمجھانے میں کوئی زمانی بُعد موجود ہو۔ اقبال کے کلام کو سمجھنے کے لیے کوئی زمانی بُعد موجود نہیں ہوتا۔ حالاں کہ اقبال کے کلام کو سمجھنے کے لیے یہی روڑے اٹکائے گئے۔ وجہ یہ تھی کہ ان کے کلام میں ایسے پہلو سامنے نہیں آنے دیئے گئے جو آسانی سے سمجھ آجاتے ہیں اور بصیرت کا پہلو دل میں جگاتے ہیں۔ اقبال کے اُن اشعار کو سامنے لایا گیا جن کے الفاظ میں ذرا تامل ہوتا تھا۔ اس وجہ سے ان کے کلام کے حوالے سے یہ کہا گیا کہ ان کا کلام مشکل سے سمجھ میں آتا ہے۔ اس سلسلے میں شعر:

حق گوئی و بے باکی آئین جواں مردی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی (۵)

اس شعر کا مطلب یہی ہے کہ سچ بولنا اور بے خوف ہو کر بولنا جواں مردوں کا پکا اصول ہوتا ہے۔ اس سے یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ حق کی بات کہنا ہی اللہ کے سپاہیوں کا اصول ہوتا ہے۔ اس لیے وہ پھر اس بات سے مکرتے نہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس حوالے سے اللہ کے سپاہیوں کے دل میں کوئی غلط سوچ نہیں آتی اور وہ اپنی اس حق بات پر قائم ودائم رہتے ہیں۔ اس شعر کے حوالے سے اکثر عام سی سوچ رکھنے والے حضرات یہی کہہ سکتے ہیں کہ آج کل کے دور میں حق گوئی کی بات کرنے والے کم ہی ملتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ پوری دنیا میں منافقت کا راج ہے۔ ہر کوئی جھوٹ کے کاروبار میں ملوث ہے۔ ایسے میں حق گوئی کی بات کرنا کتنا مشکل ہے؟ یہ ہم سب جانتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ جواں مردی بھی آج کل کسی کی شخصیت میں مشکل سے ہی مل سکتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس دور میں ایسی خصوصیت کا پایا جانا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے، اس لیے بہت مشکل ہے کہ کوئی بے باک اور جواں مرد بن جائے۔ لیکن یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ اقبال اپنے کلام کے ذریعے سے سچ بولنے اور اس پر قائم رہنے کی بات کرتے ہیں کہ اس میں مردِ مومن کی کامیابی ہے۔ اس کی شخصیت اس بات پر قادر ہوتی ہے کہ وہ اچھی بات پر عمل کرنے میں تاخیر کا بھی قائل نہیں ہوتا بلکہ وہ اس پر فوراً عمل کر دیتا ہے۔ وہ کلام اقبال کے مطابق اپنی دھن کا پکا ہوتا ہے اور وہ ذہنی طور پر تیز اور یک سو ہو جاتا ہے۔ اس شعر کے مصداق:

اے حلقۂ درویشاں وہ مرد خدا کیسا
ہو جس کے گریباں میں ہنگامہ رستا خیز
جو ذکر کی گرمی سے شعلے کی طرح روشن
جو فکر کی سرعت میں بجلی سے زیادہ تیز (۶)

ان اشعار سے یہ بات ذہن میں آجاتی ہے کہ خود کو مردِ خدا سمجھنے میں ایک عام آدمی کو ذرا بھی دیر نہیں لگتی۔ اس طرح وہ کود میں ایک ہنگامہ محسوس کرتا ہے۔ یعنی اپنی شخصیت میں ایک نیا پن، نیا جوش اور ولولہ محسوس کرتا ہے۔ اس کی فکر میں ہنگامہ خیزی آجاتی ہے۔ اور وہ اس بات کو محسوس بھی کرتا ہے کہ میر اندر ہنگامے چھپے ہوئے ہیں، اس طرح اس کے ذکر میں بھی اللہ کی بڑائی کی خاصت آجاتی ہے، کلام اقبال کی یہی تو خاص بات ہے کہ اسے پڑھتے ہوئے انسان کے لاشعور میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ مجھ

میں صلاحیتیں ہیں اور یہ کہ میں اقبال کے کلام کا مرد مومن ہوں جو سب کچھ کر سکتا ہے۔ جو دوستوں کے لیے ریشم کی طرح نرم اور دشمنوں کے لیے فولاد بن جاتا ہے۔ بقولِ اقبال:

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
ہو معرکہ حق تو فولاد ہے مومن

نقطہ پرکار حق مرد خدا کا یقین
اور عالم تم، وہم و طلم و مجاز
عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحب ادراک نہیں ہے
ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کار کشا، کارساز
کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں (۷)

یعنی مردِ مومن بننا اقبال کے کلام سے ہی ممکن ہے کیوں کہ یہ کلام محض دل ہی نہیں دماغ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ اس طرح قاری کے ذہن پر ایسا اثر کر لیتا ہے کہ اس کے اندر جوش و جذبہ پیدا کرتا ہے۔ اس طرح وہ ہر بندھن سے آزاد ہو کر عمل کی تازہ کار فضا میں سانس لیتا ہے۔ اس کا جوش و حوصلہ تیز ہو جاتے ہیں، اقبال ایک اور جگہ یوں لکھتے ہیں:

امیری میں فقیری میں شاہی میں غلامی میں
کچھ کام نہیں بنتا بے جرأت رندانہ (۸)

یعنی جرأت رندانہ کا تعلق آدمی کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے ہوتا ہے۔ یہی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت انسان کی غور و فکر سے علیحدہ اپنی ایک آزاد حیثیت رکھتی ہے۔ دیگر یہ کہ اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت پر انسان کا اختیار سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ اس کی ترتیب اس طرح ہے کہ انسان اپنی سمجھنے کی صلاحیت سے نقصان تو اٹھاتا ہے مگر غور و فکر اور وجدان کی وجہ سے بچ جاتا ہے، عام سمجھنے اور سوچنے کی صلاحیت اُسے آگے بڑھاتی ہے مگر وہ غور و فکر نہیں کرتا۔ اس وجہ سے اکثر اوقات غلط فیصلہ بھی کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وجدان اس کی سوچ کو خالص نہیں رہنے دیتا اور یہی وجدان جب کسی کی شاعری میں آجائے تو وہ شاعری خالص نہیں رہتی۔ اس لیے اقبال کے بعض اشعار وجدان سے ہو کر نکلے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال کی اس شاعری کو مشکل سمجھ لیا گیا ہے۔ یعنی شاعری ہر خاص و عام کے سمجھنے کی نہیں ہوتی۔ لیکن یہ نقطہ بھی ذہن میں رہے کہ اقبال کے فکر و فلسفے کے حوالے سے جو بھی کتابیں یا مضامین لکھے گئے ہیں وہ سب اقبال کی عام بصیرت افروز شاعری کی وجہ سے ہے۔ اس سلسلے میں یہ شعر پیش خدمت ہے:

فلسفہ و شعر کی حقیقت ہے کیا
حرف تمنا جسے کہہ نہ سکی روبرو (۹)

اسی طرح اقبال کا ایک اور شعر یوں دیا گیا ہے:

گاہ میری نگاہ تیر چیر گئی دلِ وجوہ
گاہ الجھ کے رہ گئی میرے توہمات میں (۱۰)

اس شعر میں اقبال قاری کو اس بات پر اکساتے ہیں:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے (۱۱)

یعنی اپنے حوالے سے خود فیصلہ کرنا اور پھر اس پر ڈٹ جانا ہی اصل بہادری ہے کہ خدا ہم سے خود ہی پوچھے کہ بھئی تیری منشا و مرضی کیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اقبال کے کلام میں یہ تاثیر ہے کہ اُنھیں پڑھتے ہوئے آدمی کے اندر جذبہ اور عمل خود ہی پیدا ہو جاتے ہیں۔ آدمی خود ہی جاگ اٹھتا ہے۔ مثلاً یہ شعر:

فطرت کو خرد کے رو برو کر
تسخیر مقام رنگ و بو کر (۱۲)

یعنی دنیا کی تمام رنگینیاں انسان کی کوششوں کی منتظر ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ انسان جب تک جو کچھ چاہے کر سکتا ہے۔ اقبال بھی یہی کہتے ہیں کہ فطرت کو خرد کے روبرو کرو گے تو اس جہاں رنگ و بو کو تسخیر کرنا تمہارے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہو گا اور اس طرح اس دنیا اور آخرت میں کامیابی حاصل کر سکتے ہو۔

غرض اقبال کے کلام کے بین مطالعے سے یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ ان کا کلام آدمی میں بصیرت اور حرکت و عمل پیدا کرنے کی وجہ سے اپنی انفرادیت رکھتا ہے اور اس کے حوالے سے اقبال مشہور ہیں۔ ان کے کلام سے آدمی کے حوصلے بلند ہوتے ہیں۔ آدمی کی اخلاقیات میں انقلاب آتا ہے۔ غرض یہ کہ اقبال کے کلام جیسا کوئی کلام بمشکل ہی مل سکتا ہے جو قاری کو حرکت و عمل پر مجبور کر دیتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۵ء، ص ۳۱۷
۲۔ ایضاً، ص ۲۷۹
۳۔ ایضاً، ص ۵۱۳
۴۔ مشکور حسین یاد، کلامِ اقبال کے عوامی افق، کلاسیک، لاہور، ۲۰۱ء، ص ۱۶۶
۵۔ محمد اقبال، کلام، اقبال، ایضاً، ص ۱۷۸
۶۔ ایضاً، ص ۲۷۵
۷۔ ایضاً، ص ۱۳۰، ۲۱۳، ۴۱۰
۸۔ ایضاً، ص ۳۹۰
۹۔ ایضاً، ص ۴۲۹
۱۰۔ ایضاً، ص ۲۹۹
۱۱۔ ایضاً، ص ۳۷۸
۱۲۔ ایضاً، ص ۱۷۹